SHEHRI

شہری

برائے بہتر ماحول

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے... مارگریٹ میڈ

اندرونی صفحات پر

ایشیائی مہیسلشوں کی ترقی

مزاحمت کا مہنگا طریقہ

سی پی ایل سی: ایک موثر ادارہ

اسلحے سے انکار، زندگی سے پیار

دھن مے کاؤس جی

ماحولیاتی خبر کو ہمیشہ اندرونی صفحات پر ڈال دیا جاتا ہے

ماحولیات کوئی وقتی فیشن یا محض ایک مغربی تصور نہیں ہے بلکہ ماحول کا غربت اور عوام کی روزی کے ساتھ براہ راست تعلق ہے

پاکستان میں ماحولیاتی تحریک کو متعدد چیلنج درپیش ہیں معقول قوانین،

عملدرآمد کی مشینری اور سیاسی عزم کا فقدان، لیکن ان میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ عوام نہ تو ان مسائل کو سمجھتے ہیں اور نہ ان کے لئے عوامی حمایت ہے اور یہیں سے ذرائع ابلاغ کا کردار شروع ہوتا ہے، میڈیا کے لئے چیلنج یہ ہے کہ وہ ایک ایسے ملک میں ماحول کے لئے شعور اور حمایت پیدا کرے جہاں عوام کی اکثریت صاف پانی، غذا اور سر چھپانے کی جگہ جیسے فوری مسائل سے دوچار ہیں اور انہیں ماحول اور خود ان کی اپنی زندگیوں اور روزگار کے درمیان گہرے تعلق کو واضح طور پر دکھا سکے۔

لیکن ایسا کرنے کے لئے خود میڈیا کو ماحولیاتی خبروں کی اہمیت کا قائل ہونا پڑے گا۔ خود میڈیا میں رائے عامہ بنانے والوں کی حمایت حاصل کرنا ہوگی تاکہ ماحولیاتی خبریں صفحہ اول پر جگہ پا سکیں یا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی شہ سرخی بن سکیں۔ آج ۱۹۹۸ء میں ماحولیاتی کوریج ہمیشہ سے زیادہ ہے، لیکن کتنی مرتبہ ماحول کو سب سے اہم خبر بنایا گیا ہے؟ بہت کم، کیونکہ ایڈیٹرز اور سب ایڈیٹرز سیاست کو سب سے اہم خبر سمجھتے ہیں اور اس بیٹ کے لئے سب سے اچھے رپورٹر مقرر کئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ایک ممتاز کالم نگار نے لکھا ہے کہ اگر آپ گزشتہ دس برسوں کی شہ سرخیوں پر نظر ڈالیں اور آج کی سرخیاں دیکھیں تو آپ آج اور گزشتہ کل کی خبروں یا ان لوگوں میں امتیاز نہیں کر سکیں گے جنہوں نے یہ باتیں کہیں۔ یہ ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے جسے ہم تبدیل کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ صرف سیاست ہی خبر ہے اور دوسرا کوئی مسئلہ اہم خبر نہیں بن سکتا۔

ہمیں ان لوگوں کو جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا چھپے، براڈکاسٹ یا ٹیلی کاسٹ ہو قائل کرنا ہوگا کہ ماحولیات کوئی وقتی فیشن یا محض ایک مغربی تصور نہیں ہے بلکہ ماحول کا غربت اور عوام کی روٹی روزی کے ساتھ براہ راست تعلق ہے اور یہ کہ کس طرح ماحولیاتی انحطاط کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ پورا میڈیا ایسا نہیں ہے۔ کئی اچھے صحافی ہیں جو ماحولیات کی رپورٹنگ کر رہے ہیں لیکن ان میں بھی یہ عزم نہیں ہے کہ اس خبر کو صفحہ اول پر جگہ دلانی چاہئے۔ چنانچہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کو کانٹ چھانٹ کر اندرونی صفحات پر ڈال دیا جاتا ہے۔

شروع میں ماحولیاتی تحریک کا نقطہ نظر بہت محدود ہوا کرتا تھا مثلاً افریقی ہاتھی یا بنگال ٹائیگر کی نسل کو معدوم ہونے سے بچایا جائے۔ لیکن اب یہ نقطہ نظر بدل گیا ہے اور اس بات کو محسوس کر لیا گیا کہ ان جانوروں کو اس ماحول سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے انسانوں کو اس ماحول سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحریک حفاظت سے تحفظ ماحول تک جا پہنچی۔ لیکن اس سوچ میں

شہری

بی 206 بلاک 2- پی ای سی ایچ ایس
کراچی - پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646

E-mail address:shehri @onkhura.com
(web site) URL:http://www.onkhura.com/shehri

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئرپرسن : ڈاکٹر ریڈی سوزا
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : خطیب احمد
ارکان : نوید حسین، خطیب احمد
حنیف ستار

شہری اسٹاف

کوآرڈی نیٹر : سیما منصور
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد سلمان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : دانش آذر زوبی، حمیرا رحمن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمن، محسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، ڈاکٹر ریڈی سوزا، خطیب احمد
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
اسلحہ سے پاک معاشرہ : نوید حسین
قاضی فائز عیسیٰ
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر/ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : ذکاء اللہ
پروڈکشن : انٹرلنکس کمیونیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

سب سے بڑی کامیابی ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہوئی جب عالمی تحفظ ماحول کی حکمت عملی کی اشاعت ہوئی جو کہ آئی یو سی این، ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ اور یو این ای پی کی مشترکہ دستاویز تھی اور جس میں "پائیدار ترقی" کی اصطلاح استعمال کی گئی یعنی اس طرح ترقی کہ قدرتی وسائل کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ آنے والی نسلوں کو بھی دستیاب ہوں۔

تحفظ ماحول ترقی کا الٹ نہیں ہے اور یہ کہ اس کا حصول کروڑوں لوگوں کا افلاس دور کئے بغیر ممکن نہیں اور اسی لئے ماحولیاتی مسائل اور معاشی بقاء کے درمیان ایک تعلق پیدا ہوا، اسی لئے تحفظ ماحول کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اسے کم جگہ دی جاتی ہے اور زیادہ اہمیت پائیدار ترقی کو دی جاتی ہے۔ آیئے دیکھیں ماحول اور ترقی کے درمیان کیا تعلق ہے۔

- سمندر سے پکڑی جانے والی مچھلیوں اور خصوصاً" جھینگے کی پیداوار کم ہورہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیمتی برآمدی آمدنی گھٹتی جارہی ہے۔
- صحراگری کے عمل سے پاکستان ۴۵ ملین ہیکٹر اراضی سے محروم ہوگیا ہے اب یہ زمین زراعت یا گلہ بانی کے لئے کاشتکاروں کو دستیاب نہیں ہے۔
- لاہور کے قریب قیمتی زرعی اراضی، شہری استعمال کے لئے ہڑپ کی جارہی ہے گویا خوراک کی پیداوار کے لئے بہترین اراضی اب استعمال میں نہیں رہی۔
- ملک میں صنعتوں میں استعمال ہونے والے پانی یا گھریلو سیوریج کی بہت ہی معمولی سی مقدار میں ٹریٹ منٹ کیا جاتا ہے۔ یہی پانی سب سے زیادہ پانی کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں کا سبب ہے جن کے باعث تقریباً" ۶۰ فیصد بچوں کی اموات ہوتی ہیں۔
- تربیلہ ڈیم کی حیات کار ۱۰۰ سال سے گھٹ کر ۵۵ سال رہ گئی ہے۔ وجہ؟ اچھا پانی کے ذخیرے کا بہتر انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مٹی کی تہہ جمتا ہے۔ اس کا ملک کی آب پاشی اور آبی بجلی کے نظام پر زبردست اثر پڑے گا اور ملک کو اس کی معاشی قیمت چکانا ہوگی۔
- کوئٹہ کو زیرزمین پانی فراہم کیا جاتا ہے لیکن زیرزمین پانی جمع ہونے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے پانی نکالا جارہا ہے، آئندہ پانچ دس برسوں میں یہ پانی بھی ختم ہوجائے گا۔

یہ سب ماحولیاتی مسائل ہیں لیکن یہ ترقی، عوام اور ان کے ذرائع آمدنی پر اثر انداز ہورہے ہیں، میڈیا کے لوگوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ماحولیاتی مسائل کو دلچسپ بنانے کے لئے " پیکجنگ" کی ضرورت ہوتی ہے ان مسائل کا تعلق عوام اور ان کی زندگیوں سے ہے اور یہ

آمنہ اعظم علی

1955-93

آمنہ کا پہلا ٹھکانہ "ہیرالڈ" تھا، جہاں ان کی کوششوں سے "ہیرالڈ" پاکستان کا پہلا جریدہ بن گیا جس میں ماحولیات کے بارے میں علیحدہ سیکشن ہوتا ہے۔ وہ ریسرچ رپورٹنگ میں مہارت رکھتی تھیں۔ انہوں نے سوات اور مالاکنڈ کے علاقے میں جنگلات کی کٹائی کے موضوع پر بہت کام کیا تھا۔ شہری ترقیات کی رپورٹنگ میں بھی وہ "پائنیر" تھیں۔ "لائنز ایریا پراجیکٹ" کے سلسلے میں ان کے کام کی بہت تعریف کی گئی تھی۔ انہیں اپنے مضمون "APOCALYPSENOW" پر اے پی این ایس ایوارڈ بھی ملا تھا۔

۱۹۸۹ء میں وہ آغاخان رورل سپورٹ پروگرام میں شامل ہوگئیں اور خواتین اور ترقیات کے موضوع پر کام کرنے لگیں۔ وہ گلگت میں "ویمن ان ڈویلپمنٹ پروگرام" پر کام کررہی تھیں اور آخروقت تک اسی سے وابستہ رہیں۔

بہرحال ہماری سیاسی شخصیتوں کے بیانات اور تقاریر سے کہیں زیادہ دلچسپ مواد ہے۔

اگر اس بات پر اتفاق ہوجائے کہ ماحولیاتی رپورٹنگ ضروری ہے تو پھر اگلا مرحلہ اس موضوع کو سمجھنا ہے۔ ماحولیات کئی علوم پر محیط ہے۔ اس کے کچھ تصورات سائنسی نظریات ہیں جن کی سادہ انداز میں تشریح کی ضرورت ہے اور ان میں مقامی، قومی اور عالمی سطح کے مسائل بھی شامل ہیں۔

○ پائیدار ترقی کی اصطلاح کے تحت بہت سے موضوعات آتے ہیں۔ قانون سازی سے لے کر آبادی کی شہروں میں منتقلی تک۔ قانون سازی کے سلسلے میں آپ کو ماحولیاتی قوانین مثلاً "پاکستان ماحولیاتی تحفظ ایکٹ ۱۹۹۷ء" سے لے کر ان قوانین تک کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے جن سے جنگلات، ماہی گیری، آب پاشی، زراعت اور کانکنی متاثر ہوتی ہیں۔ یا بین الاقوامی کنونشنز کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے یا یہ جاننا ضروری ہے کہ شہروں میں آبادی کی منتقلی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سیم اور تھور کی وجہ سے چھوٹے کاشت کار اپنی زمینوں سے جبراً" بے دخل ہوجاتے ہیں۔ آپ کو مقامی طور طریقوں کا بھی علم ہونا چاہئے مثلاً سندھ میں زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنے کے لئے ہری (ACACIA) کے پودے لگائے جاتے ہیں یا بلوچستان کا کاریزوں کا نظام جس کے ذریعے پمپ یا پائپ کے بغیر ۲۰، ۲۰ میل تک پانی پہنچایا جاتا ہے اور تبخیر کے باعث ضائع نہیں ہوتا۔

○ سائنسی اصطلاحات کی سادہ لفظوں میں وضاحت کی ضرورت ہے مثلاً حیاتیاتی تنوع کا مطلب یہ ہے کہ ہر زندہ مخلوق میں ایک ایسی معلومات ہوتی ہے جو اس بات کا تعین کرتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور یہ معلومات اس کے جرثوموں میں موجود ہوتی ہے۔ جرثومی تنوع بڑی اہمیت رکھتا

سیم اور تھور اور صحرا اگری کے عمل سے اراضی ضائع ہورہی ہے، زراعت اور غذائی فصلیں کاشت کرنے کے لئے زمین کم ہوتی جارہی ہے، گندم برآمد کرنے والا ملک گندم درآمد کرنے والا کیسے بن گیا

ہے خاص طور پر زراعت کے لئے۔ کیونکہ اس سے سائنس دانوں کو غذائی فصلوں کی نئی اقسام پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی ہے مثلاً گندم کی ایسی اقسام جو کیڑوں مکوڑوں کے حملوں کا مقابلہ کرسکیں اور فی ایکڑ زیادہ پیداوار دیتی ہوں۔

○ یہ عالمی مسئلہ کیسے ہے؟ کرہ ارض کی حدت پذیری گرین ہاؤس گیسز اور اوزون کی تہہ کی مثال لیجئے، ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن مغرب کے نقطہ نظر سے اس بات کو بہت کم سمجھا جاتا ہے کہ پاکستان ان مسائل سے کیسے متاثر ہورہا ہے۔ اگر زمین کے درجہ حرارت میں معمولی سا بھی اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ شمالی علاقوں میں برف زیادہ پگھلنے لگے گی اور اس کے نتیجے میں پنجاب میں سیلاب آنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

ماحولیاتی رپورٹنگ کو دو طرح سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلی صورت میں رپورٹر کو مسائل کا عمومی ادراک ہونا چاہئے اور دوسری صورت میں ایسے صحافیوں کی ضرورت ہے جنہیں اس موضوع کا زیادہ گہرائی تک علم ہو، اگر اس سلسلے میں شعور و آگہی ہے تو بہت سے لوگ طرح طرح کے مسائل کے بارے میں لکھنا شروع کرسکتے ہیں اور جوں جوں وہ آگے بڑھیں گے اور مہارت حاصل کرتے جائیں گے۔ پاکستان جیسے ملک میں یہ بات بہت اہم ہے کیونکہ یہاں میڈیا میں جو لوگ آتے ہیں ان کا پس منظر مختلف ہوتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ خبروں کا تجزیہ کیا جائے، سیم اور تھور اور صحرا اگری کے عمل سے زیادہ سے زیادہ اراضی ضائع ہورہی ہے، زراعت اور غذائی فصلیں کاشت کرنے کے لئے زمین کم ہوتی جارہی ہے۔ پاکستان اور اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اس کا کیا مطلب ہوا۔ غذائی بحران۔ پچھلے سال گندم کے بحران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ گندم برآمد کرنے والا ہمارا ملک سے گندم درآمد کرنے والا ملک کیسے بن گیا۔

اگر ایک مرتبہ یہ تجزیہ شروع ہوجائے تو پھر رپورٹنگ پر اور زیادہ توجہ دیئے جانے کا امکان ہے۔ انڈس ہائی وے کی مثال لیجئے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں اس کے بارے میں سوچا گیا کہ کراچی کو شمالی علاقوں سے منسلک کیا جائے۔ یہ منصوبہ ۱۹۹۱ء میں سامنے آیا جب اس کا ایک حصہ نوری آباد سے سیہون تک کیرتھر نیشنل پارک سے ہوتا ہوا تعمیر کیا جاچکا تھا عوام کے دباؤ کی وجہ سے سڑک کے روٹ میں ترمیم کرکے اسے پارک کی حدود کے ساتھ ساتھ تعمیر کیا گیا۔ اس معاملے میں اخبارات نے ہی توجہ دلائی، اخبارات نے اس معاملے کو زندہ رکھا اور پھر کئی مہینوں بعد اس کے بارے میں فیصلہ ہوا، اخبارات میں اداریئے لکھے گئے، ایڈیٹر کے نام خطوط

چھاپے گئے، دستخطی مہم شروع کی گئی اور د
این جی اوز نے مقدمے دائر کیے۔

کیرتھر کا مسئلہ ایک اور وجہ سے بھی اہم تھا۔ ہائی وے کی ری روٹنگ کا فیصلہ اس وقت کے وزیراعظم نے کیا تھا یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو کہ اعلیٰ ترین سیاسی سطح پر کیا گیا تھا جبکہ اس سے افراد متاثر نہیں ہورہے تھے وجہ یہ تھی کہ قومی پریس نے اسے ایک مسئلے کے طور پر اٹھایا تھا۔ انگریزی، اردو اور سندھی کے بہت سے اخبارات نے اس کے بارے میں قلم اٹھایا تھا۔ متعدد این جی اوز نے اس کی حمایت کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف شعور عامہ بیدار کیا بلکہ اس معاملے کو عدالتوں تک لے گئیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر معاملہ اتنا ہی بلند بانگ ہو بلکہ یہ ہے کہ متنازع اور سیاسی مسائل پر کئی جوابی قوتوں کو صف آرا ہونا پڑتا ہے۔

○ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے کہ ماحولیاتی مسائل کا جائزہ لینے کے کیا فوائد ہیں مثلاً شمالی علاقہ جات اور صوبہ سرحد میں آئی یو سی این کا نباتاتی تنوع پراجیکٹ، دیہی آبادیوں کو قدرتی وسائل کے انتظام کے منصوبے تیار کرنے کے لئے فنی امداد مل رہی ہے جس سے خود ان کی اپنی ترقیاتی ضروریات بھی پوری ہورہی ہیں۔ ان منصوبوں کو مقامی حکومت

باقی صفحہ ۱۳ پر

ایشیائی میونسپلٹیوں کی ترقی کولمبو میں منعقدہ سیمینار میں شہری کی شرکت

ورکشاپ کے شرکاء کولمبو کے میئر اور کولمبو میونسپل کونسل کے اسٹاف کے ہمراہ

فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار کا مقصد مختلف ایشیائی ملکوں کے عوام کے نمائندوں میں شہری حکومت' شہری تنظیموں اور شہری سوسائٹیوں کے کردار کے بارے میں وسیع تر مفاہمت پیدا کرنا اور اپنے اپنے الگ الگ تجربات کی روشنی میں باہم تبادلہ خیال کرنا تھا۔

سیمینار کے شرکاء پاکستان' انڈیا' نیپال اور تھائی لینڈ سے ایف این ایف کے پارٹنر گروپس میں سے چنے گئے تھے' پاکستانی وفد شہری کے فرحان انور' وکٹوریہ ڈی سوزا اور محمد نعمان سی پی ایل سی کے جمیل یوسف اور ایس ڈی پی آئی کے قیصر بنگالی پر مشتمل تھا۔

ان گروپوں کو کولمبو میونسپل کونسل اور کولمبو کے میئر دیش بندو کا روجیا سوریا کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا اور اس سرگرمی میں مباحثے' مقالات اور دستاویزی فلموں کی پیشکشیں میونسپل کونسل اور اس کے مختلف منصوبوں کے دورے شامل تھے۔

اس پوری مشق کا مقصد یہ تھا کہ مختلف شہری مسائل خصوصاً" کولمبو میونسپل کونسل کے حالیہ پرائیویٹائزیشن پروگرام کے حوالے سے میئر کو مشورے دینا تھا۔ سیمینار کے دوران جو مسائل زیر بحث آئے ان کا تعلق فنی انتظامی' قانونی اور سیاسی پہلوؤں سے تھا' مختلف ایشیائی شہروں کے تجربات میں کئی باتیں یکساں پائی گئیں خصوصاً" ممبئی اور کراچی کو درپیش مسائل میں بہت کچھ مشترک تھا۔

یہ بات محسوس کی گئی کہ شہری حکومتوں کو اپنے مالی اور انتظامی امور کے سلسلے میں مرکزی کنٹرول سے جتنا زیادہ ممکن ہو آزاد اور خودمختار ہونا چاہئے تاکہ ان کی کارکردگی بہتر ہو۔ شرکاء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شہری اداروں کے کام کو شفاف بنانے اور ان کا بوجھ تقسیم کرنے کے لئے شہری معاملات میں شہریوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت بہتر ضروری ہے۔

تاہم شرکاء میں اس بات پر اختلاف رائے تھا کہ اس کردار کو ایک ادارے کی صورت میں ہونا چاہئے یا نہیں۔ ٹھوس فضلے کو ٹھکانے لگانا سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ قرار دیا گیا اور بیشتر گروپس نے اپنے شہری اداروں کی جانب سے جس طرح اس مسئلے کو حل کیا جارہا ہے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ شہری حکومت کا ایک ایسا شعبہ ہے جس میں نجی شعبے اور شہریوں کو زیادہ سے زیادہ شریک کیا جاسکتا ہے۔

شرکاء کولمبو شہر کی سیاحت کے لئے تیار ہیں

میئر کی رہائش گاہ پر اجلاس میں ورکشاپ کے شرکاء

ورکشاپ کے اقتصادی اجلاس کی تیاری

پرائیویٹائزیشن کے مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث ہوئی اور یہ محسوس کیا گیا کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن اس کے ساتھ عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط تنظیمی ڈھانچہ ہونا چاہئے۔

میونسپل کونسل آف کولمبو نے پرائیویٹائزیشن کا جو پروگرام شروع کیا ہے اس میں ٹھوس فضلے کے بندوبست کے نظام کی نج کاری بھی شامل ہے جس میں زیادہ زور کمپوسٹنگ پر دیا گیا ہے۔ (کولمبو شہر میں ۸۳ فیصد کچرا عام طور پر نباتاتی نوعیت کا ہوتا ہے) کچرے پھینکنے کی ایک جگہ تیار کی جارہی ہے۔ نجی شعبہ کو شہری ٹریفک کے انتظام اور صحت کی دیکھ بھال کی اسکیموں میں بھی شریک کیا جارہا ہے۔

میئر جے سوریا کی قیادت میں کولمبو میونسپل کونسل نے کولمبو شہر میں حالات کو بہتر بنانے کے لئے جو اقدامات کئے ہیں سیمینار کے تقریباً تمام شرکاء نے اس کی بہت تعریف کی۔

ایف این ایف کے ریجنل نمائندے برائے جنوبی ایشیا ڈاکٹر امیر آدم نے سیمینار کی کارروائی کی میزبانی کی جبکہ ایف این ایف سری لنکا کی مسز سیگریشیا ڈیل گوڈا نے معاون کے فرائض انجام دیئے۔

شہری پارک

جیسا کہ گزشتہ نیوز لیٹر میں بتایا گیا تھا، "شہری" نے کے ایم سی کی "پارک اپنایئے" اسکیم میں حصہ لیا تھا اور ایک پارک (ایس ٹی۔۱۲ بلاک نمبر۵، اسکیم نمبر۵) کلفٹن کراچی کو "گود" لے لیا تھا تاکہ اسے ترقی دے کر اس کی دیکھ بھال کی جاسکے۔

شہری کے عمران جاوید اس وقت پارکوں کی ترقی کے پروگرام کی دیکھ بھال کررہے ہیں، اس غیر ترقی یافتہ پارک میں زمین ہموار کردی گئی ہے، پارک کے ۷۰ فیصد علاقے کی صفائی کردی گئی ہے، ایک بڑا مسئلہ ان سیوریج لائنوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو وہاں سے گزرتی ہیں۔ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے حکام کا کہنا ہے کہ مطلوبہ فنڈز دستیاب نہیں ہیں تاہم اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

شہریوں کی ایک کمیٹی جو پارک کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر مشتمل ہے ترقیاتی کام کی نگرانی اور مانیٹرنگ کے لئے مقرر کردی گئی ہے۔

کوئی شخص، تنظیم یا ملٹی نیشنل کمپنی جو ہمارے بچوں کے لئے تفریحی ساز وسامان، جھولے، بینچوں وغیرہ کی فراہمی کے سلسلے میں مالی تعاون کرنا چاہے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔

دیش بندو کاروجے سوریا

سری لنکا میں بلدیاتی ترقی

کولمبو میونسپل کونسل میں مثبت تبدیلیوں کے فوائد

سری لنکا میں لوکل گورنمنٹ کی ترقی کا آغاز انتہائی قدیم دور میں ہوا۔ چھٹی صدی سے قبل کے تاریخی ریکارڈ میں بھی ٹیکس، نرخوں کی وصولی، آمدنی میں حصے، آب پاشی کے لئے پانی کی فراہمی اور انتظامی ڈویژنوں کے وجود وغیرہ کے بارے میں متعدد حوالے ملتے ہیں۔

ہر گاؤں کے معاملات ایک مقامی لیڈر کنٹرول کرتا تھا، دیہی کونسلیں جو "گاؤں سبھا" کہلاتی تھیں، کسی مرکزی اتھارٹی کے بغیر آزادانہ طور پر کام کرتی تھیں۔

ان کے علاوہ بڑی کونسلیں بھی ہوا کرتی تھیں جو "گرتا سبھا" کہلاتی تھیں یہ پورے ضلع یا صوبے کے معاملات نمٹاتی تھیں انورادھاپورہ اور پولن نروا جیسے بڑے شہروں میں جو سری لنکا کے وسطی شمالی حصے میں واقع ہیں اپنی ٹاؤن کونسل اور میئر ہوا کرتے تھے۔

پرتگیزی، ڈچ اور ابتدائی برطانوی حکومتوں کے دور میں جب ہم محض ان کی ایک نوآبادی ہوا کرتے تھے تو اس نظام میں زوال آیا اور ان اداروں کو مقامی طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

تاہم ابتدائی برطانوی ایڈمنسٹریٹرز نے اس پرانے نظام کی اہمیت اور افادیت کو محسوس کیا جس کا تعلق قدیم روایات سے تھا۔ چنانچہ انہوں نے قصبوں اور شہری علاقوں سے لوکل گورنمنٹ کی جدید مشینری متعارف کرائی جو بہت حد تک برطانوی طرز پر تھی۔

کولمبو کا ایک خوبصورت منظر

ترقی پذیر دنیا کے کئی دوسرے شہروں کی طرح کولمبو کو بھی ایک شہری شکل دینے میں نوآبادیاتی نظام نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ تجارت اور علاقائی نظم و ضبط کی ضروریات پوری کرنے کے لئے شہر آباد کئے گئے۔

۱۸۶۵ء میں کولمبو میونسپل کونسل کا افتتاح ہوا۔ اس کے قیام کے ساتھ ہی نوآبادیاتی دور میں اس ملک میں عوامی عہدے کے لئے پہلے انتخابات عمل میں آئے۔ اس وقت سے اب تک سو سے زیادہ برس گزر چکے ہیں اور یہ شہر مسلسل جدید شہر بننے کے لئے کوشاں ہے۔ اس کی آبادی تقریباً" آٹھ لاکھ ہے جبکہ نصف ملین آبادی فلوٹنگ ہے۔

اس ملک میں انتظامی ڈھانچہ سخت، درجہ بند اور روایتی بیوروکریٹک انداز کا تھا۔ ہم اکثر پبلک بیوروکریسی کی خراب کارکردگی، طویل سرخ فیتے، بدمزاج افسروں، کمتر معیار کی خدمات اور رشوت اور بدعنوانیوں کی شکایات سنتے ہیں۔ ہم نے "سیاست بازی" کی وجہ سے سرکاری شعبے کی کارکردگی میں زبردست انحطاط بھی دیکھا ہے۔ میں کسی ایسے طریقے کی تلاش میں تھا جس میں اس پوری صدی کے دوران بہت کم تبدیلی آئی ہو، چنانچہ میں نے محسوس کیا کہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے روایتی طریقے کی جگہ پبلک مینجمنٹ کے طریقے کو اپنایا جائے۔

گزشتہ چند عشروں کے دوران سیاست کونسل انتظامیہ کا اہم جزو بن چکی ہے۔ اچھے تعلقات کو یقینی بنانے کے لئے بلدیاتی انتخابات سے پہلے اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ چند پیشہ ور افراد کو بھی امیدواروں میں شامل کیا جائے جبکہ نچلی سطح کے سیاست دانوں کو تو آنا ہی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نامزد کیا جاتا تھا جن کا اچھا شہری ریکارڈ ہو تمام امیدواروں کو اپنے اثاثوں کا اعلان کرنا پڑتا تھا اس کی وجہ سے ہمارے موجودہ دور میں ہمیں کونسلرز کی ایک تجربہ کار اور پیشہ ور ٹیم منتخب کرنے میں مدد ملی۔ میں نے اپنا عہدہ سنبھالنے سے پہلے ہی اپنا نائب اور جانشین منتخب کرلیا تھا اور اسے موقع دیا کہ وہ قیادت کے ہنر اور میئر کی کرسی کی گرماہٹ سے آشنا ہوجائے۔

مختلف پارٹیوں کے درمیان باہمی جھگڑوں اور سیاسی محاذ آرائی کو کم کرنے کے لئے، جس کی وجہ سے خدمت کا معیار گر جاتا ہے۔ کونسل میں اپوزیشن پارٹیوں کے پانچ ارکان کو پندرہ اسٹینڈنگ کمیٹیوں کے چیئرمینوں میں شامل کیا گیا یہ سب مل کر داخلی کابینہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہ ایک نیا تصور ہے، میری کابینہ کے ۳۳ فیصد ارکان کا تعلق اپوزیشن سے ہے۔

ایک اور مثبت قدم یہ تھا کہ ہم نے انتظامیہ کو سیاست سے پاک کردیا، کونسلرز

ہمارا تصور یہ ہے کہ کولمبو ایشیا کا ایک ماڈل شہر ہو' جہاں عوام کو بہتر زندگی میسر ہو' ہمارا مشن یہ ہے کہ عوام کو

معیاری خدمات فراہم کی جائیں' مخلص ٹیم اور وسائل کو موثر طور پر بروئے کار لائے

کا کردار صرف یہ رہ گیا کہ وہ اپنے رائے دہندگان کی ضروریات کے مطابق پالیسی مرتب کرائیں۔ انتظامیہ اس پر عملدرآمد کرے اگرچہ میئر کونسل کا چیف ایگزیکٹو آفیسر ہوتا ہے تاہم بہت سے اختیارات میئر کو منتقل کردیئے گئے ہیں اور میونسپل کمشنر چیف آپریٹنگ آفیسر ہوتا ہے۔

زیادہ زور تربیت اور خصوصاً" تعلقات عامہ اور کسٹمر فوکس پر دیا جاتا ہے۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے کونسل میں ایک نئی فضا پیدا ہوئی' افسروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ ادارے کا ایک حصہ ہیں اور انتظامی شرکت کا احساس نمایاں ہونے لگا۔ سرگرمیوں میں افسروں کی زیادہ شراکت سے ٹیم اسپرٹ کا احساس پیدا ہوا مسلسل مذاکرات اور میٹنگز اور مینیجرز کے مثالی رویئے کی وجہ سے اعتماد کی فضا' اپنے علم و تجربے میں شراکت اور نئی باتوں کے ساتھ شرکت عمل' ملازمین کا خیال رکھنے اور سب سے بڑھ کر ان کو یہ یقین دلانا کہ اب کوئی سیاسی مداخلت نہیں ہوگی۔

اب نجی شعبے کو نئی خدمات کی فراہمی میں شریک کیا گیا ہے جن میں ڈسپنسریوں کی دیکھ بھال' گلیوں کے نام کی تختیاں' چوراہے۔ ٹریفک لائٹس سسٹم' غریبوں کے لئے مشترکہ سہولیات' شہر کے مستقبل کے خاکے کی تیاری' شجر کاری مہم اور تعلیمی سرگرمیاں شامل ہیں۔

مشاورتی کمیٹی کا قیام ایک نیا اقدام تھا۔ اس کے ارکان وہ لوگ مقرر کئے گئے جو اپنے متعلقہ شعبے میں مہارت' تجربہ اور شہرت رکھتے تھے۔ ان کا سب سے اہم کردار طویل المیعاد بنیادوں پر متعلقہ خدمات کی پیشہ ورانہ ترقی' شہر کی بہتری کے لئے متعلقہ شعبوں میں عالمی معیار کی ترقیاتی سرگرمیوں کو کونسل میں بروئے کار لانے کے طریقے تجویز کرنا تھا۔ سٹی واچ کمیٹی بھی شہری رہنماؤں اور کوالیفائیڈ پیشہ ور افراد کا ایک گروپ ہے جو ٹیکس دہندگان' خدمات اور دوسرے سرگرمیوں کے بارے میں ہم سے مسلسل صلاح مشورے جاری رکھتا ہے۔

> ترقی پذیر دنیا کے کئی دوسرے شہروں کی طرح کولمبو کو بھی ایک شہر کی شکل دینے میں نو آبادیاتی نظام نے ایک اہم کردار ادا کیا تجارت اور علاقائی نظم و ضبط کی ضروریات پوری کرنے کے لئے شہر آباد کئے گئے

شہری آبادی کا ایک اہم حصہ وہ علاقے ہیں جہاں خدمات کی فراہمی کم ہے۔ شہر کے ۴۵ فیصد رہائشی یونٹس جھگیوں' کچی آبادیوں اور چھپروں پر مشتمل ہیں۔ کمیونٹی ڈویلپمنٹ کونسلوں کی تشکیل کے ذریعے عوام اور کمیونٹی کی شرکت کو بڑھایا گیا ہے اور فراہم کی جانے والی سہولتوں کی حفاظت میں انہیں شریک کیا گیا ہے۔ آج کونسل کی نگرانی میں ۶۰۰ سے زائد سی ڈی سی کام کررہی ہیں۔

اس شہر میں پہلی بار ایک "کیریئر گائیڈینس انفارمیشن سینٹر" قائم کیا گیا ہے۔ اس مرکز پر بڑی تعداد میں نوجوان اپنے مستقبل کے کیریئر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آتے ہیں۔ اس مرکز کا قیام بھی نجی شعبے' آرگنائزیشن آف پروفیشنل ایسوسی ایشنز چیمبر آف کامرس اور یونیورسٹیوں کے تعاون سے ممکن ہوا ہے۔

متعدد این جی اوز کی کارکن خواتین بوڑھے لوگوں کے لئے گھر اور شہر کا یتیم خانہ چلانے میں پوری طرح منہمک ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ان اداروں کا دورہ کرتی ہیں اور وہاں کے باسیوں کی محبت سے دیکھ بھال کرتی ہیں۔

آئندہ بارہ ماہ کے دوران پانچ ہزار نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کے پروگرام میں کئی این جی اوز مدد کررہی ہیں۔

شہر کے پرانے حسن کی بحالی کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف آرکیٹکٹس نے رضاکارانہ طور پر ایک دستاویز "وژن فار دی سٹی آف کولمبو۔ ۲۰۰۵ء" تیار کی۔ سٹی واچ کمیٹی نے شہر کی مکمل مردم شماری کے لئے کارروائی شروع کردی ہے۔ اس منصوبے کی سخت ضرورت تھی کیونکہ آخری مردم شماری ۲۵ سال قبل ہوئی تھی۔

شہر کی ترقی کے سلسلے میں ہماری کوششوں میں بین الاقوامی برادری نے گہری دلچسپی لی ہے۔ کونسل کا انتظامی طریقہ یہ ہے کہ شہر میں معیار زندگی اور صحت کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔ ہم شہریوں' نجی شعبے اور این جی اوز کو ایک عوام دوست شہر کی تخلیق میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور یہ موثر قیادت' سیاسی عزم اور جمہوری اور شراکتی حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

ہمارا تصور یہ ہے کہ کولمبو ایشیا کا ایک ماڈل شہر جہاں عوام کو بہتر معیار کی زندگی میسر ہو۔ ہمارا مشن یہ ہے کہ عوام کو معیاری خدمات فراہم کی جائیں مخلص اور لگن رکھنے والی ٹیم وسائل کو موثر طور پر بروئے کار لائے۔

یہ بات بہت ضروری ہے کہ لوکل ایڈمنسٹریشن کا نظام سیاسی طاقت کے ڈھانچے کی نظر میں قابل اعتماد اور مقامی باشندوں کی نظر میں جائز اور قانونی ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ لوکل گورنمنٹ ایک باقاعدہ اداراتی اور سیاسی ڈھانچہ ہو' کیونکہ بالآخر اداروں کے قیام' طریق کار اور پالیسیوں کے تعین کی ذمہ داری سیاست دانوں' افسروں اور ہر شہر کے باسیوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔

(دیش بندو کاروجیالوریا کولمبو کے میئر ہیں)

✠✠✠

علی حسن سیمنتور

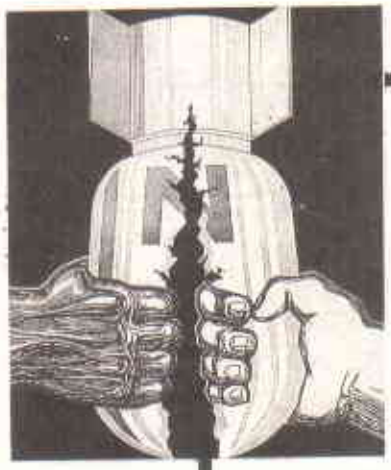

دھماکے کا جواب دھماکہ
مزاحمت کا مہنگا طریقہ

صدر میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ایک موٹر سائیکل دیکھتا ہوں ایک بچہ اپنے باپ کے ساتھ موٹر سائیکل پر جارہا ہے اور وہ بچہ ایک نوزائیدہ بچے کو لئے ہوئے ہے۔ موٹرسائیکل ٹریفک میں زگ زیگ کرتی ہوئی جارہی ہے۔ مجھے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ وہ چھوٹا بچہ جو دس سالہ لڑکے کی گود میں ہے اس کے ہاتھ سے پھسل جائے گا اور ٹریفک کے ہجوم میں کچلا جائے گا۔ میں گاڑی ایک طرف روک کر اس موٹرسائیکل کو اپنی نظر سے اوجھل ہونے دیتا ہوں میں صرف یہی دعا کرسکتا ہوں کہ خدا کرے میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ صرف بچوں کی پرورش ہی نہیں ہم اپنی زندگیوں کے تمام پہلوؤں میں اسی قسم کی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم ہر کام نتائج سے بے پرواہ ہوکر یونہی بے خیالی سے کرتے ہیں اور حادثات سے بال بال بچتے ہیں۔ یہی ہماری ثقافت ہے بال بال بچنا انڈیا اور پاکستان کی ثقافت ہے۔

کاریں' ایئرکنڈیشنگ سسٹم' صنعتی مشینری جو ہمارے ملک میں آتی ہیں ان سب میں حفاظتی انتظامات ہوتے ہیں۔ ہم ان حفاظتی انتظامات کو نکال دیتے ہیں اور ان چیزوں کو حفاظت پر کم سے کم توجہ دیتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں خواہ کتنا ہی احتیاط سے کام لینے کا حکم دے ہم تو بس ہر چیز کا ذمہ دار اسی کو ٹھہراتے ہیں۔ یہ ہمارے بال بال بچنے والی ثقافت کا ایک حصہ ہے اور بعض اوقات ہم بچ نہیں پاتے حادثات ہوجاتے ہیں۔ ٹرینیں پٹریوں سے اتر جاتی ہیں ہر ایک دو ماہ بعد آپ یہ سنتے ہیں کہ کوئی بس پہاڑ سے نیچے جاگری کیونکہ اس کی ضروری مرمت نہیں کرائی گئی تھی۔ یہاں سب سے عجیب نوعیت کے حادثات ہوتے ہیں۔ چند برس پہلے پوری رفتار سے چلتی ہوئی ٹرین ایک کھڑی ہوئی مال گاڑی سے جا ٹکرائی سینکڑوں افراد ہلاک ہوگئے۔ مال گاڑی وہاں اس لئے کھڑی تھی کہ ڈرائیور نے سوچا کہ آگے سفر پر جانے سے پہلے قریبی گاؤں میں ذرا اپنے لوگوں سے ہی ملتا جاؤں۔ صنعتی حادثات ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔ مغربی دنیا میں بھی حادثات ہوتے ہیں لیکن وہاں بحران سے نمٹنے کے لئے سوچ سمجھ کر حفاظتی اور ہنگامی پلان پہلے سے تیار کئے جاتے ہیں۔

اب انڈیا اور پاکستان جو بال بال بچنے والی مشترکہ ثقافت رکھتے ہیں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ایٹمی ہتھیاروں کے مالک ہیں۔ اگر کبھی آپ یہ روداد لکھنے بیٹھ جائیں کہ غلطی کی صورت میں کیا کیا ہوسکتا ہے تو صفحوں کے صفحے کالے ہوتے جائیں گے۔ غلط اندازہ' غلطی' اسلحہ کا استعمال' پاگل دشمن ایٹمی سہولتوں کو یرغمال بنائے ہوئے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت حال کو دیکھ کر تو پکے سے پکا دہریہ بھی خدا پر ایمان لے آئے گا۔ دنیا کے اس خطے میں ہم مکمل انتشار کے عالم میں زندہ رہتے ہیں اور اس افراتفری کے عالم میں ہم انتہائی مہلک ہتھیاروں کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم اس بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والی ٹیکنالوجی کو برتنے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر امریکہ' چین اور برطانیہ نیوکلیائی اسلحہ رکھ سکتے ہیں تو انڈیا اور پاکستان کے رکھنے میں کیا ہرج ہے۔ اس کا جواب واضح ہے۔ جن ملکوں کی مثال دی گئی ہے وہ معاشی اور سیاسی اعتبار سے کہیں زیادہ مستحکم ہیں۔ ہم خواندگی' جی این پی' فی کس آمدنی وغیرہ کسی اعتبار سے ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو پھر ایٹمی اسلحہ رکھنے کے بارے میں ان کی برابری کیوں کریں پہلی بار ایٹم بم کے دو شہروں میں استعمال کے بعد سے۔ جب ایٹمی جنگ کے نتائج پوری طرح آشکار ہوئے' ان ملکوں نے انتہائی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ امریکہ نے ویت نام میں ایٹمی اسلحہ استعمال نہیں کیا بلکہ بے مروت ہوکر وہاں سے نکلنا گوارہ کرلیا' برطانیہ نے بھی فاک لینڈ کے مسئلے پر ارجنٹائنا کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال نہیں کیا جبکہ روس نے بھی افغانستان میں ایٹم بم نہیں گرایا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انڈیا اور پاکستان میں جنگ چھڑگئی تو کیا وہ بھی اس ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرسکیں گے؟ ہم دیوانے لوگ ہیں' ایک دوسرے سے اتنی شدید نفرت کرتے ہیں' اتنی جلدی اشتعال میں آجاتے ہیں کہ ایک گروپ اسی ملک میں رہنے والے دوسرے لوگوں کے خلاف بھی ایٹمی ہتھیار استعمال کرسکتا ہے۔

جس ملک میں جتنی خواندگی کی شرح زیادہ ہوگی اتنا ہی بین الاقوامی طور پر اس پر زیادہ اعتماد کیا جائے گا اگر یہی ٹیکنالوجی ملائیشیا کے پاس ہوتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ لیکن انڈیا اور پاکستان کے غیر مستحکم معاشروں میں یہ ٹیکنالوجی رکھنا میرے لئے بہت تشویش کا باعث ہے۔ ان دونوں ملکوں میں خواہ کوئی بھی مستعد ادارہ ایٹمی ہتھیاروں کو کنٹرول کرتا ہو وہ عوام کی جانب سے دباؤ کا شکار رہے گا اور عوام بھی کون سے جو بال بال بچ جانے والے کلچر رکھتے ہیں۔

باقی صفحہ [illegible]

فرحان انور

تبصرہ

ماحولیاتی رپورٹنگ کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے

انگریزی اخبارات مقامی زبانوں کے اخبارات اور جرائد کے مقابلے میں بہتر معیار کی ماحولیاتی صحافت کرتے ہیں اور متعلقہ مسائل کو زیادہ گہرائی تک جاکر سمجھتے ہیں

میڈیا کسی قوم کے ضمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ الیکٹرونک پرنٹ میڈیا جو ریاست کی سازشوں سے آزاد ہو' عام آدمی کی امیدوں' امنگوں' کامیابیوں' ناکامیوں' خوف اور اندیشوں کی آواز بن جاتا ہے۔

ہمارے جیسے ملک میں جو حکمرانی کے کبھی ختم نہ ہونے والے بحران میں پھنسا ہوا ہو جس کا اظہار سماجی' معاشی اور انتظامی انتشار اور افراتفری سے ہو رہا ہو وہاں قومی میڈیا کا کردار اور ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ میڈیا کو شہریوں کو مطلع کرنا اور انہیں تعلیم دینا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی غلطیوں پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جس کے لئے ایک مضبوط قوت فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر ملک اور اس کے شہریوں کی فلاح و بہبود سے غیر مشروط وفاداری اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو لاتعداد چیلنجوں سے دوچار ہے جس میں ہمارے اس عزم کے بارے میں سنگین شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ ہم اکیسویں صدی میں ایک مالی طور پر خوشحال اور سیاسی طور پر مستحکم قوم کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔ ایک مسئلہ جس کی وجہ سے مستقبل کی ہماری خوشحالی کے خواب موہوم نظر آتے ہیں وہ ماحولیاتی انحطاط ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ نسبتاً ایک نیا مسئلہ ہے تاہم اب اسے اگلی صدی کا سب سے بڑا چیلنج قرار دیا جا رہا ہے۔

یہاں بھی ایک بار پھر میڈیا کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہے عام شہریوں کے شعور کی سطح کو بلند کرنا ہے جو یا محض لاعلمی کی بناء پر یا جان بوجھ کر اس مسئلے کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ وہ لوگ اس کے حل کے لئے ضروری اقدامات کریں جنہیں ماحولیاتی انحطاط کے بڑھتی ہوئی لہر کو روکنا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے میڈیا ماہرین میں اس چیلنج سے عہدہ برا ہونے کی کتنی صلاحیت ہے' اس میں کیا رکاوٹیں اور مشکلات ہیں اور یہ کہ مثبت تبدیلیاں لانے کے کتنے امکانات ہیں؟ بہت سے مسائل ہیں جن کا جائزہ لینا پڑے گا۔

ترقی اور تکنیکی ایجادات کے اس دور میں پاکستان خود کو ایک انتہائی ناقابل رشک صورت حال میں پاتا ہے کہ اس ملک میں خواندہ افراد سے زیادہ ناخواندہ افراد رہتے ہیں جب بھی کسی مسئلے پر مثلاً ماحولیاتی انحطاط کے بارے میں شعور عامہ بڑھانے کے لئے کسی مہم کا آغاز کیا جاتا ہے خصوصاً "پرنٹ میڈیا کے ذریعے' تو یہی بڑے پیمانے پر قومی ناخواندگی راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے اس رکاوٹ کو کیسے عبور کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ کوئی متبادل نئی راہ تلاش کی جائے۔ انگریزی خواص' بالائی اور متوسط طبقے اور سرکاری زبان ہے لیکن عوام اب بھی اردو اور علاقائی زبانوں میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ انگریزی اخبارات مقامی زبانوں کے اخبارات اور جرائد کے مقابلے میں بہتر معیار کی ماحولیاتی صحافت کرتے ہیں اور متعلقہ مسائل کو زیادہ گہرائی تک جاکر سمجھتے ہیں۔ اگر یہ پیغام دور دور تک پھیلانا ہے تو ہمیں اس خلاء کو پر کرنا ہوگا۔

ماحول کے تحفظ سے متعلق مسائل عام طور پر سماجی' معاشی' سیاسی اور ٹیکنالوجی کے مسائل کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا میں ماحولیاتی صحافت کو ایک خصوصی حیثیت دی جا رہی ہے اور اس کے بارے

میں خصوصی تربیت اور دیگر سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ کیا ہم بھی ایسا ہی کررہے ہیں یا ہم ایک دن اپنے صحافیوں کو فنون لطیفہ اور شوبزنس کی کوریج کے لئے بھیجتے ہیں اور دوسرے دن وہ ایک پیچیدہ اور دھماکہ خیز ماحولیاتی مباحثے کو کور کرنے چلے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہی ہورہا ہے۔

بعض لوگوں کو اس بات پر تشویش ہے کہ پرنٹ میڈیا تو بتدریج اپنی ماحولیاتی رپورٹنگ کو بہتر بنارہا ہے۔ الیکٹرونک میڈیا' سرکاری کنٹرول میں ہے وہ اس معاملے میں خاصا پیچھے ہے اور اس ضمن میں کوئی واضح پالیسی نظر نہیں آتی۔ ملک میں ناخواندگی کی شرح زیادہ ہونے کی وجہ سے پرنٹ میڈیا کا کردار مزید بڑھانے اور ابھارنے کی ضرورت ہے۔ اور کیا ہمیں یہ چینی کہاوت یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ "ایک تصویر ہزاروں الفاظ پر بھی بھاری ہوتی ہے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ماحولیاتی مسائل نوعیت کے اعتبار سے اکثر سماجی اور سیاسی مسائل ہوتے ہیں خصوصاً" ہمارے جیسے بدعنوان سیاسی ماحول میں' میڈیا ماہرین کو اکثر مفاد پرست لوگوں کی طرف سے سیاسی مداخلت یا مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بعض اوقات یہ مخالفت پرتشدد بھی ہوتی ہے' پھر اس دباؤ کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

اکثر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ماحولیاتی انحطاط کے بارے میں خبریں مثلاً جنگلات کی کٹائی' پینے کے پانی کی آلودگی' کیمیاب جانوروں کا شکار' کچرا جلانا وغیرہ قارئین میں وہ جذبہ اور دلچسپی پیدا نہیں کرتیں جتنا کہ کسی سیاسی لیڈر کے دھماکہ خیز بیانات' ماحولیاتی خبروں کو قومی بحث و مباحثہ کی پہلی صف میں لانا ہے اور یہ کام صرف بڑے اشاعتی اداروں کے دوراندیش اور جرات مندانہ پالیسی اقدامات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ فی الوقت تو اس سلسلے میں کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دیتی۔

امید ہے کہ حکومت اور میڈیا ماہرین مل کر جلد از جلد موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں گے اور ایسے رہنما خطوط طے کریں گے جن سے میڈیا ہمارے ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں زیادہ موثر کردار ادا کرنے لگے۔

(فرحان انور شہری نیوز لیٹر (انگریزی) کے ایڈیٹر ہیں)

شہری فوٹوالبم

کوڑے میں روزی کی تلاش

صنعتی فضلے کا انکاس

مارکیٹ کا اختتام اور سڑک کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

کاسموپولیٹن شہر کراچی کا ایک منظر

ش۔ فرخ

وہ کون ہوگا جو ان کا راہنما بنے گا

عمران خان کا براؤن صاحب کہاں چلا گیا

شہر لوٹتے ہوئے یونیورسٹی روڈ کے کنارے آباد فلیٹوں میں سے ایک کی کھڑکی کے باہر ایک بورڈ پر نظر پڑی۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد کی تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ "ہمیں منزل نہیں..." اگلا لفظ واضح طور پر پڑھا نہ گیا۔ گاڑی کی رفتار کم کی۔ اتنے میں ذہن میں جملہ پورا ہوگیا۔ "ہمیں منزل نہیں راستہ چاہئے" بڑی انقلابی سوچ ہے۔ جسے راستہ مل جاتا ہے اسے منزل از خود مل جاتی ہے۔ جب راستہ ہی نہ ہوگا۔ سمت کے بارے میں علم نہ ہوچگا تو پھر منزل کیسی۔ یہ باتیں تو بعد میں سوجھیں۔ سائن بورڈ کو ذرا قریب سے دیکھا تو لکھا تھا۔ "ہمیں منزل نہیں رہنما چاہئے" اوہو۔ کاپی ٹھیک نہیں ہے۔ راہنما تو منزل تک پہنچنے کے لئے ہی چاہئے ہوتا ہے۔ یہ نہ کہو کہ منزل نہیں چاہئے۔

زندگی میں ہر ایک کے اپنے اپنے رہنما ہوتے ہیں۔ آئیڈیل۔ جس کی رہنمائی پر اعتبار ہوتا ہے۔ جس کی جلائی ہوئی مشعلوں سے ملک کے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ جس کی قیادت میں معاشرے کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ ملک کے محروم طبقوں کو حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ جسے ہم "رول ماڈل" کہتے ہیں۔ جو ہمیں رواداری سکھاتا ہے۔ دوسرے کی بات کو سننے کا حوصلہ دیتا ہے۔ دوسرے کے جذبات کے احترام کا سبق دیتا ہے۔ اس کی خوشی میں مخل ہونے سے روکتا ہے۔ اختلاف رائے پر بپھرنے سے روکتا ہے۔

نیپا میں جینڈر ایشوز پر ورکشاپ کا آخری اجلاس تھا۔ اس ورکشاپ میں مختلف سرکاری محکموں کے ارکان نے شرکت کی تھی۔ پچھلے چند برسوں میں جو مثبت تبدیلی آئی ہے وہ بس اتنی سی ہے کہ اب عورتوں کے مسائل پر غیر سرکاری تنظیموں کے مچائے ہوئے شور وغل کے بعد سرکاری محکموں میں بھی عورت کی اقتصادی قوت کو مضبوط کرنے اور اس کے حقوق کے بارے میں بحث مباحثے ہونے لگے ہیں۔ اس ورکشاپ میں تربیت حاصل کرنے والوں کے تین گروپ بنے تھے۔ جنہوں نے مختلف علاقوں میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف پروگرام پیش کئے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کمیونی کیشن کے اس دور میں کمپیوٹر کی ٹریننگ بہت ضروری ہے اس لئے اس ضمن میں مراکز کھولے جائیں لیکن ایک گروپ کی کنوینئر نے وقت کی ڈور پیچھے کی طرف کھینچنے کا پروگرام پیش کیا۔

نظروں کے سامنے بہت سے عوامی منظر گھوم گئے۔ سودا خریدتے ہوئے۔ بینک میں بجلی، گیس کا بل جمع کرواتے وقت، ڈاکخانے میں خطوں پر ٹکٹ لگواتے ہوئے۔ گاڑیوں کے اسٹیرنگ وہیل پر۔ بس اسٹاپس پر۔ ایئرپورٹس کے چیک ان کاؤنٹرز پر۔ کہیں نہ کہیں۔ آپ کو ایسی عورتیں ضرور نظر آتی ہیں جن کے چہروں پر۔ حلیوں پر، بنیاد پرستی کی چادر لپٹی ہوتی ہے۔

نیپا کی ورکشاپ میں آواز آئی۔ ملا ہمارا رول ماڈل ہے ہم اس تک رسائی حاصل کریں گے۔ اس کا اپنے علاقے میں بہت اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ ہم اسے کہیں گے کہ گھر گھر جاکر عورتوں کو ان کے حقوق کے بارے میں بتائے۔

تو بھلا اب تک کیا ہوتا رہا۔

ملا کسی فرد کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی ایک ملک یا کسی ایک مذہب میں نہیں ہوتا۔ ہر مذہب کے اپنے اپنے ملا ہوتے ہیں۔ ہر ملک کے اپنے اپنے ملا ہوتے ہیں۔ بڑی طاقتوں کے زر خرید غلام۔ جو ایشور کا، ہولی فادر کا، یسوع مسیح کا، بھگوان کا، اللہ رسول کا نام لے کر پہلے سے پڑھے ہوئے اسباق دہراتے ہیں۔

ضیاء الحق کے دور میں سرکاری دفاتر اور تعلیمی مراکز میں احکامات آیا کرتے تھے کہ عورتیں ساڑھی نہ پہنیں عورتیں مردوں کے ساتھ بات نہ کریں۔ ان سے الگ بیٹھیں۔ نواز شریف کے موجودہ دور حکومت میں چونکہ میڈیا پالیسی کے بارے میں حکم جاری ہوچکا ہے۔ اس لئے گماں ہوا کہ شاید ملا کو ایک بار پھر عورتوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے نیا کردار پیش کیا جارہا ہے۔ ویسے بھی ہمارے صدر پاکستان جب بھی موقع ملتا ہے۔ ضیاء الحق کے الفاظ دہراتے ہیں کہ امت کی نجات نفاذ اسلام میں ہی ہے۔ اہل دانش اس وقت بھی یہی کہتے تھے کہ بھلا از سر نو نفاذ اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ پاکستان مملکت اسلامی جمہوریہ تو پہلے سے ہی ہے۔

ضیاء الحق کے نفاذ اسلام نے عورتوں کو حدود آرڈی نینس سے نوازا، قانون شہادت سے ان کا مرتبہ بڑھایا۔ ضیاء الحق کے ملا نے افغانی طالبان کو پالا پوسا، پڑھایا لکھایا اور جب وہ بر سر اقتدار آئے تو عورتوں کی تعلیم بند کردی۔ عورتوں کے ہنر مس کردیئے۔ وہاں ریڈیو سننے والوں کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ یہ اسی ملا کا کمال تھا۔ اسی کا دیرپا اثر ہے کہ ورکشاپ کی ایک پڑھی لکھی۔ تربیت یافتہ خاتون ملا کے رول ماڈل کو از سر نو فعال کرنے کا منصوبہ پیش کررہی تھی۔

یہی وہ مکتبہ فکر ہے جو اسلامی بم کا ایک طویل ماڈل بنا کر کراچی کے حسن اسکوائر پر لا کھڑا کرتا ہے اور اس کے اردگرد ہلا گلا کرنے والے نوجوان خود کو نسیم حجازی کے ناولوں کے کردار میں پیش کرنے کے لئے تڑپتے ہیں۔ ان کی کم اندیشی میں عصر حاضر کے تقاضوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہی وہ تنگ نظری ہے جو ٹی ایف ٹی آڈیٹوریم میں پیش کئے گئے پی این سی اے "ڈانس فیسٹول" کو ہضم نہیں کرسکتی۔ رقص ان کے نزدیک صرف وہ فعل ہے جو کوٹھوں پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ فنون لطیف کے زمرے میں نہیں آتا۔ انہیں کیا معلوم بلھے شاہ کون تھا۔ بلھے شاہ کی کافی پر ناہید صدیقی کا فن کن بلندیوں پر تھا۔ پندرہ لڑکوں کا چھوٹا سا گروپ ہال کے چھ سات سو حاضرین پر بھاری تھا۔ حاضرین محو تھے۔ وہ مخل ہو رہے تھے۔ حاضرین ادائیگی فن کے لئے عقیدت کے جذبات سے سرشار تھے کہ ان لڑکوں کے کھوکھلے قہقہے اور آواز سے ان کے ذہنوں پر کچوکے لگا رہے تھے۔

کون تھے وہ۔ کس نے بھیجے تھے۔

وہ کون ہوگا جو ان کا راہنما بنے گا۔

عمران خان میٹ دی پریس کے پروگرام میں کراچی پریس کلب آئے تھے۔ ان کے ہمراہ معراج محمد خان بھی تھے۔ بقول ہمارے ایک ساتھی صحافی کے کہ عمران خان نے گزشتہ عرصے میں ایک ہی کامیابی حاصل کی ہے کہ معراج محمد خان ان سے آملے ہیں۔ کوئی سات برس قبل معراج محمد سے ایک انقلابی قسم کے اجلاس میں لاہور میں ملاقات ہوئی تھی۔ جمہوریت بحال ہوچکی تھی۔ مارشل لاء کا دور ختم ہوگیا تھا۔ معراج محمد اپنے عزائم کا ذکر کر

باقی صفحہ ۲۲ پر

شہری کی سرگرمیاں

اسلحہ سے انکار' زندگی سے پیار

ریحانہ افتخار کی ایک تاثراتی تحریر

ڈائننگ ہال میں کافی رش تھا برتنوں' کانٹے' چمچوں کے شور کے ساتھ ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا کہ کسی نے آکر کہا "اطلاع آئی ہے کہ ضلع وسطی میں ہنگامہ ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ مارے بھی گئے ہیں۔ میں وہی جا رہا ہوں۔" یہ خبر سنتے ہی تقریباً سبھی فوٹوگرافرز اور رپورٹرز کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

کسی نے پوچھا "کل تو چار لوگ مرے تھے آج کتنے افراد کی خبر ہے؟"۔

نوالہ میرے حلق میں اٹک سا گیا۔ کیا بے حسی کا عالم ہے۔ قتل و غارت گری اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ اب لوگ مرنے والوں کی تعداد معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اب تو عام لوگ یہ بھی بھولتے جا رہے ہیں کہ یہ شہر بندوق کے بغیر کتنا پرسکون تھا۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ٹی ٹی کیسی ہوتی ہے اور کلاشنکوف کیا بلا ہے؟ یہ جب بولتی ہیں تو ان کی آواز میں کیا فرق ہے؟ اس شہر کے رہنے والوں کی زندگیاں تو اب ان لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں جو بندوق اور دیگر بارودی ہتھیاروں کی نمائش کرتے ہیں ان کا کھلے عام استعمال کرتے ہیں تشدد کی ثقافت کو فروغ حاصل ہو چکا ہے۔ اب معمولی سے اختلاف رائے پر جان لے لینا عام رویہ ہے۔ فرقوں اور لسانی گروہوں کے درمیان تصادم میں خونریزی اب نئی بات نہیں رہی۔ عدم تحفظ کے احساس نے ہر شہری کو بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ جاگیردار و سیاست دان اپنی حفاظت کے لئے مسلح گارڈز لے کر چلتے ہیں جو آزادانہ اپنے اسلحے کی نمائش کرتے ہیں اور موقع بہ موقع اپنا زور دکھانے سے دریغ بھی نہیں کرتے حکومت کیونکہ امن و امان کی صورتحال کو کنٹرول نہیں کر سکی اس لئے اس نے پرائیویٹ گارڈز کی خدمات حاصل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ بلکہ اس نے پولیس کو جدید ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔ انہیں مار ڈالنے کا اختیار بھی دے دیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو اس بات پر زور دینا چاہئے کہ پولیس کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو زندگی کی قدر کرنے کی آگاہی کو فروغ دے۔ یہ بات بھی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ابھی سے یہ تعلیم دیں گے بندوق مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہی بنی نوع انسان کو ختم کرنا ہے۔ اپنے آپ سے یہ وعدہ کریں کہ ہتھیار کا استعمال نہیں کریں گے۔ ان سے خونریزی اور تشدد و ظلم کو فروغ ملتا ہے' امن' خوشحالی اور ترقی کو نہیں۔

شاید ظلم و تشدد سے آزادی کی خواہش نے ہی چند باشعور افراد کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ عام لوگوں میں یہ آگاہی پیدا کریں کہ وہ اسلحے سے پاک معاشرے کے قیام کے لئے اپنی سی کوششیں کریں۔ اگر تمام آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ ترقی کرے اور خوشحالی اس کے گھر کا منہ دیکھے تو اسے بندوق سے نہ صرف خود نفرت کرنا ہوگی بلکہ اپنے بچوں کو بھی اس لعنت سے دور رکھنا ہوگا۔

یہ باشعور افراد مختلف تنظیموں اور این جی اوز سے منسلک ہیں۔ ایک این جی او "شہری" ہے جو بہتر ماحول کے لئے بڑی تن دہی سے مصروف ہے۔ دوسری تنظیم سٹیزن پولیس لائژن کمیٹی ہے یہ این جی او جرائم کے خلاف لڑ رہی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ایک جانی پہچانی تنظیم ہے جو ہر سطح پر شہریوں کے انسانی حقوق کے لئے جنگ میں مصروف ہے۔ یہ تینوں تنظیمیں بہت فعال اور بہتر ماحول' پرسکون اور انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے سرگرداں ہیں۔

تشدد کے شعلوں کو بجھانے کے لئے اسلحہ جلانا ہوگا

شہری بہتر ماحول نے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی پریس کلب میں 'اسلحہ سے پاک معاشرہ' کے عنوان سے ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا جس سے ممتاز شہریوں نے خطاب کیا

ضرورت اس بات کی ہے
کہ ہر شخص محبت کا پرچار
کرے زندگی کی قدر کرنا
سیکھے اور دوسروں کو
سکھائے' شہری نے
کھڑے پانے میں کنکر مار
کر ارتعاش پیدا کیا ہے

فائز عیسیٰ' نوید حسین' فادر آر نلڈ' آئی اے رحمٰن اور دیگر مقررین

انہوں نے باہمی تعاون سے اسلحہ سے پاک ماحول کے لئے ایک مہم کا آغاز کیا ہے۔ یہ تنظیمیں کیونکہ غیرسیاسی ہیں اور تشدد پر یقین نہیں رکھتیں اس لئے انہوں نے مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کا طرز عمل کرکے شہر کی مصروف ترین سڑکوں اور راہوں پر جلسہ کرکے عام لوگوں کی زندگی کو مزید پریشانی میں مبتلا کرنے کی بجائے کراچی پریس کلب کا انتخاب کیا۔ یوں بھی کراچی کا پریس کلب ہر قسم کی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ملک بھر میں معروف ہے۔ لیکن یہاں عام لوگوں کی شرکت بہت زیادہ نہیں ہوتی۔

اس کے باوجود ہر وہ شخص موجود تھا جسے قتل و غارت گری سے نفرت تھی۔ شرکت کرنے والوں اور خطاب کرنے والوں کی ایک ہی بڑی خواہش تھی کہ تمام غیرقانونی ہتھیاروں کو برآمد کیا جائے اور پھر انہیں تباہ کردیا جائے۔ اس اجتماع سے ان لوگوں نے بھی خطاب کیا جو کسی نہ کسی طرح بندوق سے متاثر ہوئے یا جن کے رشتہ دار و دوست قتل یا زخمی ہوئے۔ انہوں نے ان حادثوں سے متاثر ہونے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور یہ کہ ان حادثوں نے انہیں اور ان کے خاندان کو کس طرح متاثر کیا۔ قتل کرنے والے تو ایک آدمی کو مارتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا شاید کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس آدمی سے منسلک نہ جانے کتنے ہی لوگوں کو جذباتی ذہنی اور معاشی طور پر مار رہے ہیں۔ منظر امکانی ایک صحافی تھے ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اپنے دکھ اور اپنی محرومیوں کا ذکر کیا تو موجود افراد کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

اس اجتماع میں شریک ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ حکومت صورتحال کی بہتری

کم از کم یہ سب لوگ تو اسلحہ سے پاک معاشرے کی حمایت کرتے ہیں

کے لئے کچھ کرے' کچھ عملی اقدام اٹھائے جائیں' کچھ سخت قوانین بنائے جائیں' اسلحہ کی کھلے عام نمائش پر پابندی ہو' قانون نافذ کرنے والے اداروں سے منسلک افراد اپنی گولی کو کسی انسان کو مارنے کے لئے استعمال نہ کریں' ہتھیاروں کے لائسنس کے اجراء میں حددرجہ احتیاط لازمی ہے۔ صرف اسی شخص کو اسلحہ کا لائسنس جاری کیا جائے جو اس اسلحے کے درست استعمال سے واقفیت و صلاحیت رکھتا ہو۔ ہمارے شہر میں اسلحہ تیار نہیں ہوتا اس لئے غیر قانونی ہتھیاروں کی آمد کو روکنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔ ایسے قوانین اور طریقوں کو اپنایا جائے کہ ہتھیار عام لوگوں تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ امریکہ میں قتل کی وارداتوں کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہاں اسلحہ باآسانی دستیاب ہے۔ ہم یقیناً ایسا ملک نہیں چاہیں گے۔ کرپشن کے معاملے میں ہمارے

چلو ہم آج اسلحہ کو ختم کرنے کا آغاز کریں

ملک کا نام اکثر سرفہرست آتا ہے۔ جرائم کی شرح میں بھی کہیں اس کا نام سرفہرست نہ آجائے۔ لیکن امریکہ ایک امیر ملک ہے۔ وہاں آتشیں اسلحے کے استعمال سے پیدا ہونے والے تشدد پر طبی علاج و معالجے' پیداواری اور زندگی کے معیار کے نقصان پر ۱۱۲ بلین ڈالر خرچ ہوئے۔ ہمارے ملک میں تو یوں بھی طبی سہولتوں کا فقدان ہے۔ پیداواری اور زندگی کے معیار کے نقصان کا تذکرہ ہی کیا کیا جائے۔ اس صورتحال کا پاکستان جیسا غریب ملک کسی طرح بھی متحمل نہیں ہوسکتا۔ اب بھی بہت زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔ ہوش میں آکر ایک باشعور شہری کی طرح سوچنا ہوگا۔ اسلحے سے پاک ماحول ہی ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ کیونکہ ہماری ترقی کا انحصار ہمارے استحکام' تجارت اور تعلیم کے پھیلاؤ و فروغ پر ہے۔ اسلحے کے آزادانہ استعمال کے خلاف جب تک ہر شہری آواز نہیں اٹھائے گا اس وقت تک قتل و غارت گری اور امن و امان کی خراب صورتحال کا سلسلہ جاری رہے گا۔

ہم مسلمان ہیں اور اسلام وہ مذہب ہے جس نے قتل کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص محبت کا پرچار کرے۔ زندگی کی قدر کرنا سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ برداشت کرنے اور عدم تشدد کی ثقافت کو فروغ دے۔ مذکورہ این جی اوز نے ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر مار کر ارتعاش تو پیدا کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ عام لوگوں کا شعور جاگ اٹھے اور وہ بندوق و ہتھیار کی سیاست اور ثقافت کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ پہلا قدم تو اٹھا ہے اور اسے اب رکنا نہیں چاہئے۔ یہ اجتماعات مسلسل ہونے چاہئیں تاکہ اسلحے سے پاک معاشرے کی خواہش عام ہو جائے اور پھر حکومت پر دباؤ اتنا بڑھے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی موثر اقدامات اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔

✠✠

بقیہ ⇦ دھماکہ

جب میں یہاں تک تحریر کرچکا تو مجھے ایک دوست کا فون آیا' اس نے مجھے بتایا کہ انڈیا اور پاکستان دونوں نے مزید ایٹمی دھماکے نہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ سن کر کتنا اطمینان ہوتا ہے' لیکن طمانیت کیسی' کیا دونوں ملکوں نے اپنے ایٹمی اور میزائل بنانے والے سائنس دانوں کو برطرف کردیا ہے؟ پردے کے پیچھے کیا ہورہا ہے؟ اگنی اور غوری کے پروگراموں کا کیا بنا۔ میں اس پردہ پوشی کے مقابلے میں شفاف پن میں زیادہ راحت محسوس کرتا ہوں۔ دونوں ملکوں کے امن پسند لوگ اسی وقت چین کی نیند سوسکیں گے جب ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال نہ کرنے کا معاہدہ ہو اور ایک مقررہ وقت کے اندر اندر تمام ایٹمی ہتھیار ہٹالئے جائیں۔

ایٹمی جنگ کے بارے میں میری پریشانی کے جواب میں مجھے یہ بتایا جاتا ہے کہ طیارے کے حادثے' سڑک پر ایکسیڈنٹ اور دل کے دورے کے خطرے کے ساتھ ساتھ مجھے اس ایک اور پریشانی کے ساتھ جینا سیکھ لینا چاہئے۔

میں تھوڑی دیر کے لئے ایک دوست کے ساتھ ان تحفظات کے بارے میں تبادلہ خیال کرتا ہوں جو فوری طور پر اختیار کئے جانے چاہئیں۔ دونوں جانب کے فوجی رہنماؤں کو فوری طور پر ملاقات کرنی چاہئے اور ان اقدامات پر بات چیت کرنی چاہئے جن کے ذریعے ایٹمی اسلحہ بردار میزائل حادثاتی طور پر داغے جانے کے امکانات ختم ہوسکیں۔ صورت حال اس وجہ سے اور پیچیدہ ہوجاتی ہے کہ دونوں ملکوں کی سرحدیں بھی ملتی ہیں' ہمیں تو اتنا وقت بھی نہیں مل سکے گا کہ آنے والی کسی مشتبہ چیز کا تنقیدی تجزیہ بھی کرسکیں۔ کسی ایک سمت سے داغی جانے والی چیز آناً "فاناً" دوسری جانب پہنچ جاتی ہے۔ میں چڑ جاتا ہوں' یہ سارا مسئلہ بہت الجھا ہوا اور غیر ضروری ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ دونوں ملکوں کے لیڈر بیٹھ کر آپس میں گفت و شنید کرلیں۔ گفتگو اور تدبر' ایٹمی اسلحہ خانہ رکھنے سے کہیں زیادہ موثر' براہ راست اور کم خرچ ہے۔ میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ انسان دوستی کا یہ موقف اس خطے کے سیاسی حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا الکھنڈ بھارت' دو قومی نظریہ' مسئلہ کشمیر اور دوسرے مقصد کاز ہم سے قربانی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ انہیں ایٹمی ہتھیاروں کے معاملے میں چین کی بالادستی کا خطرہ ہے اور انہیں اپنی قوت ثابت کرنا ہے۔ پاکستان بھارت کی ایٹمی صلاحیت سے خطرہ محسوس کرتا ہے اور ہمارے ایٹمی دھماکے نے برصغیر میں طاقت کے توازن کو درست کردیا ہے۔ لیکن دنیا کے اس خطے میں ہم خود کو یہ سمجھا کر بے وقوف نہیں بناسکتے کہ یہاں مزاحمت کی منطق کام کرے گی۔

ہوسکتا ہے کہ اب ہم بعض بنیادی حقائق کا احساس کرنے لگیں۔ سب سے بنیادی حقیقت تو یہ ہے کہ انڈیا اور پاکستان خواہ ایک دوسرے سے کتنی ہی نفرت کریں وہ ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹا نہیں سکتے۔ انڈیا اور پاکستان کے عوام کی اکثریت بحران کے حل کے لئے کسی جنگ کے حق میں نہیں ہے۔ اس خطے میں پائیدار امن کے قیام کی کوئی بھی قیمت بہت زیادہ نہیں ہے۔ آیئے ہم اپنے لیڈروں کو مجبور کریں کہ وہ آپس میں مل کر بیٹھیں' ہم انہیں مجبور کریں کہ وہ غربت و افلاس کا خاتمہ کریں' اپنے عوام کو بنیادی سہولتیں مہیا کریں اور سوفیصد خواندگی کی شرح حاصل کریں۔ ان مقاصد کی تکمیل پر ہندوستان اور پاکستان کے عوام خود اتنے روشن خیال ہوجائیں گے کہ انہیں اسلحہ کی یہ دوڑ قطعاً" بے مصرف معلوم ہوگی۔

✠✠